سیر و سوانح

مولانا آزاد سبحانی

حیات و نظریات

ڈاکٹر اقبال حسین

ہندوستان کی تاریخ میں ۱۸۵۷ء کی عظیم بغاوت اور مابعد اثرات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ مغلوں کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی برطرفی نے ہندوستان پر برطانوی حاکمیت مکمل کردی تھی۔ ملک کے سیاسی، معاشی، معاشرتی، مذہبی اور سماجی زندگی پر انگریزی تہذیب و تمدن کے اثرات تیزی سے نمایاں ہونے لگے تھے۔ اس کے خلاف ہندوستان کے باشعور افراد اور جماعتیں آہستہ آہستہ صف آرا ہونے لگی تھیں جس کی وجہ سے ملک میں مختلف سماجی، مذہبی اور تمدنی تحریکات نے جنم لیا۔ اس صدی نے ہندوستان کو ان گنت عظیم سیاسی اور مذہبی مصلح اور رہنما فراہم کیے جو قومی اور ملی زندگی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسے رہنماؤں میں سر سیندر ناتھ بنرجی، رابندر ناتھ ٹیگور، اکھشے کمار دتا، کیشب چندر، آربند و گھوش، آسوتوس مکرجی، دادا بھائی نوروجی، گوکھلے، موتی لال نہرو، پنڈت جواہر لال نہرو، سید احمد بریلوی شہید، بدرالدین طیب جی، سید امیر علی، مولوی کرامت علی، مولانا برکت اللہ بھوپالی، مولانا فضل حق بدایونی، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا محمد علی اور شوکت علی، محمد علی جناح، آزاد سبحانی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید سلیمان ندوی اور بہت سے دوسرے سر فہرست نظر آتے ہیں۔ اس مضمون میں مولانا آزاد سبحانی کی حیات اور نظریات پر مختصر گفتگو کی گئی ہے۔ مولانا آزاد سبحانی بڑے عالم دین تھے۔ عربی و فارسی پر ان کی اچھی نظر تھی تقریر و تحریر میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ان کے ہم عصروں میں مولانا آزاد جیسے مقتدر اور مشہور عالم بھی اُن کے علم و فن اور خطابت کے قائل تھے۔

مولانا آزاد سبحانی کا پورا نام عبدالقادر تھا۔ آپ مشرقی یوپی کے مردم خیز قصبہ سکندر پور (بلیا) میں ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے تھے[1] مولانا آزاد سبحانی کی والدہ کا انتقال ۱۸۸۶ء میں یعنی مولانا کی طفلی ہی میں

---

[1] عبدالقادر شیخ محمد مرتضیٰ بن شیخ محمد سجاد ایک معمولی زمیندار گھرانے کے فرد تھے۔ آپ کی والدہ کا تعلق سبزوار (ایران) سے تھا۔ آپ کے والد مشہور صوفی بزرگ اور شاہ عبدالعلیم آسیؔ، (سکندر پوری) المشہور آسی غازی پوری کے مرید تھے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ہوگیا[۱]۔ آپ کے والد فرزند کی محبت اور غالباً اپنے دینی مشاغل کی وجہ سے، آپ کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ نہ کر سکے[۲]۔ ۱۴ سال کی عمر تک، مولانا کھیل کود میں مصروف رہے۔ ایک روز پتنگ بازی میں مصروف تھے کہ اچانک انھیں یہ احساس ہوا جیسے کوئی کہہ رہا ہو کہ اے عبد القادر، تم کب تک کھیل کود میں وقت ضائع کرتے رہو گے۔ اس آواز نے مولانا کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا۔ مولانا گھر چھوڑ کر اپنی پھوپھی کے یہاں پہونچے، جو قریب کے موضع میں منسوب تھیں۔ اُن سے تعلیم شروع کرنے کی خواہش کا اظہار کیا اور حصولِ علم کے لیے جون پور پہونچے۔ نواب عبد المجید صاحب کے قائم کردہ مدرسہ میں، جس کے صدر مشہور عالم مولانا ہدایت اللہ[۳] رام پوری تھے، داخلہ لے لیا[۴]۔

مولانا آزاد سبحانی نے جون پور میں طالب علمی کے ایام میں بہت محنت اور لگن سے کام لیا۔ علمی اور درسی کتب کے مطالعہ کے علاوہ غیر درسی کتب جیسے طلسم ہوشربا، داستان امیر حمزہ، بوستان خیال کا بھی بہت دلچسپی سے مطالعہ کیا۔ مولانا کی دیگر دلچسپیوں میں دریائے گومتی پر گھنٹوں تیراکی بھی شامل تھی۔ فنون لطیفہ سے بھی خاصی دلچسپی تھی، خصوصاً رقص و سرود کی ہر اُس محفل میں شریک ہو جاتے جہاں اذنِ عام ہوتا[۵]۔ درسِ نظامی کے تحت تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ موسیقی میں بھی دلچسپی لی اور باقاعدگی سے اس فن کو سیکھا[۶]۔ مولانا نے طب کی تعلیم حکیم صدیق احمد صدیقی (اصل وطن امروہہ) کے والد صاحب سے حاصل کی تھی[۷]۔

(بقیہ گذشتہ حاشیہ) خود مولانا آزاد سبحانی مولانا ضیاء الرحمٰن (اناؤ) کے، جو مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی نقشبندی سلسلہ کے بزرگ تھے، مرید تھے۔ انٹرویو، حسن سبحانی صاحب، خلف مولانا آزاد سبحانی، مقیم علی گڑھ۔ فرانسس رابنسن نے مولانا کا سن پیدائش ۱۸۷۳ء لکھا ہے اور یہی سال جین بھی لکھتے ہوئے مولانا کے والد کو کانپوری ـ بلیاوی لکھا ہے۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: FRANCIS ROBINSON, SEPARATISM AMONG INDIAN MUSLIMS, P. 426. N.K. JAIN, MUSLIMS IN INDIA: A BIOG-RAPHICAL DICTIONARY, Vol I, P. 108,

۱۔ انٹرویو حسن سبحانی صاحب ۲۔ انٹرویو حسن سبحانی صاحب

۳۔ مولانا ہدایت اللہ رام پوری اپنے زمانہ کے منطق اور معقولات کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے تھے۔ آپ مولانا فضل حق خیرآبادی کے شاگرد تھے۔ ۴۔ انٹرویو حسن سبحانی ۵۔ انٹرویو حسن سبحانی

۶۔ انٹرویو حسن سبحانی ۷۔ حکیم صدیق احمد صدیقی کا چند برس پہلے بریلی میں انتقال ہوا ہے، انٹرویو حسن سبحانی صاحب

دورانِ تعلیم، آزاد سبحانی صاحب آہستہ آہستہ غیر روایتی سرگرمیوں میں زیادہ مصروف ہوگئے تو اُن کی شکایت مولانا ہدایت اللہ سے کی گئی۔ اُستاد کے استفسار پر، مولانا آزاد سبحانی نے صفائی اور بیباکی سے جواب دیا کہ کتابوں میں ان کے مصنفین جو نتائج نکالتے ہیں اُن سے انھیں اختلاف ہوتا ہے جس کی وجہ سے طبیعت درس کی طرف راغب نہیں ہوپاتی۔ مولانا ہدایت اللہ کو آزاد سبحانی کی ذہانت اور رسا فکر کا بخوبی اندازہ تھا۔ انھوں نے شاگرد عزیز کو سخت و سست کہنے کے بجائے ان کی ایک طرح سے ہمت افزائی کی۔ کہا "عزیزم علم حفظ کا نہیں فکر کا نام ہے" چونکہ تم دوسرے طلبا سے مختلف ہو اس لیے تم پر کوئی پابندی نہیں عائد کی جاتی۔ؔ آزاد سبحانی، مولانا ہدایت اللہ کے علمی مقام، حلم، قناعت، استغنا اور کردار کی پختگی سے بے حد متاثر تھے۔ وہ اپنی خصوصی مجلسوں میں اکثر مولانا ہدایت اللہ کا ذکر کرتے اور کہا کرتے تھے کہ انھوں نے جب مولانا کو دیکھا تھا تو وہ پچھتر سال کی عمر کے قریب تھے اور اس قدر حسین تھے کہ اتنا حسین شخص اُنھوں نے کسی اور کو نہیں پایا۔[۲] مولانا آزاد سبحانی کے کردار پر مولانا ہدایت اللہ کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ یہ بھی تمام عمر ملک و ملت کے لیے جد و جہد میں مصروف رہے اور کبھی کسی صلہ یا انعام کی توقع نہ کی، تمام عمر ایک عجیب شان استغنا سے گزاری۔ بڑے سے بڑے صاحب جاہ و ثروت سے کبھی مرعوب نہ ہوئے اور بڑی سے بڑی جابر طاقت سے پنجہ آزمائی کرنے میں کبھی کوئی خوف نہ ظاہر کیا۔

حصولِ علم کی لگن، مولانا آزاد سبحانی کو کشاں کشاں جون پور سے رام پور لائی۔ مدرسہ عالیہ میں داخل ہوئے اور ایک عرب عالم، مولانا طیب سے عربی زبان و ادب کی تعلیم حاصل کی۔[۳] دو برس کے بعد تلاش معاش میں کانپور پہونچے۔ اور ایک مدرسہ میں جو بعد کو مدرسہ الٰہیات کے نام سے مشہور ہوا، درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ مدرسہ نے جب ترقی کی تو صدر مدرس کے عہدہ پر سرفراز ہوئے۔ بعد ازاں کانپوری مولانا کی ادبی، سیاسی اور مذہبی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ اسی دوران "العقاید" بھی مکمل کر لی۔[۴]

---

[۱] انٹرویو، حسن سبحانی صاحب، بحوالہ مولانا آزاد سبحانی۔ حسن سبحانی صاحب کا بیان ہے کہ اُن کے والد مولانا ہدایت اللہ کے استغنا، اور انکساری سے متاثر تھے، مولانا ہدایت اللہ کی قناعت پسندی اور استغنا کا یہ حال تھا کہ والی بھوپال نواب شاہجہاں بیگم کے اصرار کے باوجود بھوپال جاکر خوش حالی اور جاہ و جلال کی زندگی گزارنے کے بجائے جون پور کے مفلوک الحال مدرسہ میں ہی رہ کر خدمت کرنے کو ترجیح دی۔ [۲] انٹرویو حسن سبحانی صاحب
[۳] انٹرویو حسن سبحانی صاحب [۴] انٹرویو حسن سبحانی صاحب

ہندوستانی مسلمان انیسویں صدی کے وسط سے جس سیاسی و معاشی استحصال کا شکار تھے وہ اظہر من الشمس ہے۔ برطانوی سیاست کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ملک کے گذشتہ فرماں رواؤں کے ہم مذہبوں کو مفلوج کر دیا جائے تاکہ وہ سیاسی اور معاشی طور پر نہ سنبھل سکیں۔ اس سیاسی مصلحت کے پیش نظر، اکابرین حکومت برطانیہ، مسلمانوں کے ساتھ گاہے "نرم" اور گاہے "گرم" سلوک اختیار کرتے رہے۔ ۱۹۰۵ء میں تقسیم بنگال، بظاہر مسلم جذبات کو مطمئن کرنے کی ایک کوشش تھی لیکن حقیقتاً برطانوی حکومت کا مدعا، قومی تحریک کو کمزور کرنا تھا۔ بنگالی مسلمانوں کو فراہم کردہ یہ رعایت بھی ۱۹۱۱ء میں واپس لے لی گئی۔[1] مسلم لیگ نے، جو خود برطانوی سیاست کا نتیجہ تھی، اس فیصلہ کے خلاف سخت احتجاجات کیے، ملک میں مسلمان ابھی اس کے خلاف اظہار غم و غصہ میں مصروف ہی تھے کہ وہ جنگ بلقان اور اٹلی کی روضہ نبوی اور خانہ کعبہ پر بمباری کرنے کی دھمکی سن کر اور مضطرب ہو گئے۔[2] علماء کرام، بالخصوص مولانا عبدالباری فرنگی محلی، علی برادران، شیخ مشیر حسین قدوائی اور دیگر اکابرین ملت کی کوششوں سے بالآخر ۱۹۱۳ء میں خدام کعبہ کی بنیاد پڑی۔[3] مولانا آزاد سبحانی، کانپور میں 'خدام کعبہ' کے سرگرم رکن، شیدائی اور بعد ازاں روح رواں بن گئے۔[4]

جنگ بلقان ابھی جاری ہی تھی کہ مسلمانان ہند کو ایک نئے سانحہ سے دوچار ہونا پڑا۔ ۱۹۱۳ء میں مچھلی بازار کانپور کی مسجد کے ایک حصہ کو حکام کانپور کے ایما سے منہدم کر کے سڑک (مسٹن روڈ) کا جز بنا دیا گیا۔ مسلمانوں کی فریادیں، مظاہرے، احتجاجات، سب نظرانداز کر دیے گئے۔ مسلمانوں کے غم و غصہ کے بارے میں حکام بالا (مرکزی سرکار) کو غلط اطلاع دی گئی اور صوبائی گورنمنٹ نے یہ اعلانیہ جاری کر دیا کہ مسجد کے معاملہ میں مسلمانان کانپور میں کوئی اضطراب نہیں ہے۔ صوبائی حکومت اور مقامی حکام کے طرز عمل سے مسلمانان کانپور کو سخت صدمہ پہونچا۔ ۳ اگست ۱۹۱۳ء کو مولانا آزاد سبحانی نے عیدگاہ کے میدان میں پچاس ہزار فرزندان توحید کے سامنے ایک مدلل، بصیرت افروز اور پرجوش تقریر کی۔ آپ نے حکام شہر اور صوبائی حکومت کے الزامات کی تردید کی کہ مسلمانوں میں جوش و خروش اور

---

[1] TARA CHAND, HISTORY OF FREEDOM MOVEMENT IN INDIA Vol 3 P. 411

[2] رسالہ حسرۃ الآفاق، ص۔ ۱۶ [3] عنایت اللہ فرنگی محلی، رسالہ حسرۃ الآفاق بوفاۃ مجمع الاخلاق لکھنؤ ۱۹۲۹ء، صفحات ۱۷—۱۶ (آئندہ بحوالہ رسالہ)

[4] SEPARATISM AMONG INDIAN MUSLIMS صفحات ۱۵—۲۱۴

مسجد کے لیے موجودہ ہیجان سلطان ترکی کے درپردہ معاونت کی وجہ سے ہے[۱] مولانا کی تقریر خاصی طویل ہے، اس کے بعض اجزا قارئین کرام کے مطالعہ کے لیے نقل ہیں تاکہ یہ اندازہ کیا جاسکے کہ مولانا کی اصل طاقت اور اساس کیا تھی۔

"......میں حیران ہوں کہ آپ کو آج کن الفاظ سے یاد کروں، آپ کو مسلمان کہوں کہ آپ کو محمد رسولؐ کا عاشق یا آپ کو اسلام کے شیدائی کے نام سے یاد کروں۔ قرآنِ پاک میں آیا ہے کہ جتنی خوبیاں ہیں وہ سب خدا کی ہیں آپ خدا کے پیرو اور اس کے آخری نبی کے ماننے والے ہیں...... مسلمانانِ کانپور! اس سے پہلے ۲۳ جولائی کو آپ لوگوں کا ایک جلسہ اسی سرزمین پر اس بات کے عرض کرنے کے لیے قائم کیا تھا کہ گورنمنٹ ہمارے جوش کو سچ اور صحیح تسلیم کرلے، مسلمانوں نے مختلف تقریروں میں نہایت ادب، سکون اور خاموشی کے ساتھ اسلامی شرافت اور سنجیدگی کے ساتھ اس امر کو ثابت کردیا۔ زور سے، شور سے، ہر طرح سے...... دکھا دیا کہ مسلمانوں کو دلی رنج و ملال ہے، مگر میرے دوستو مجھے توقع ہے کہ گورنمنٹ ہمارے جلسہ کی کارروائی اس قدر جھوٹی نہ مانے گی...... جب سرکاری مراسلہ لیفٹننٹ گورنر کی طرف سے شائع ہوا اس میں نہایت بیدردی سے کہا گیا.... کہ اب مسلمانانِ کانپور میں کوئی جوش نہیں ہے، وہ جھوٹے ~~اور اُن کے علما~~ جھوٹے اُن کا مذہب جھوٹا ان کی مسجد جھوٹی، ان کی تمام ساخت جھوٹی۔ آپ یقین رکھئے کہ ہم مذہب کے لیے پیدا ہوئے، ہمارے رسولؐ نے ہم کو فرمان دیا تھا کہ تم پر کوئی مصیبت آئے تو کبھی غمزدہ نہ ہو (آہ و نالہ)۔ میرے دوستو یہ مسلمان بتائیں گے کہ ہم میں پھر جوش پیدا ہے...... ہر شخص...... ہماری حالت اِس وقت دیکھ کر یقین کرے گا کہ جو یہاں موجود ہیں وہ اسلامی ذات پر شیدائی ہیں۔ وہ مسلمانوں کو زمین سے آسمان اور آسمان سے کنگورۂ عرش پر دیکھنا چاہتے ہیں...... باوجود اس بات کے کہ گھر خالی ہوگئے ہیں، باوجود اس کے کہ آنسو آپ کی آنکھوں سے خشک ہوگئے ہیں، بدن میں رعشہ پیدا ہوگیا ہے..... مگر

---

[۱] تقریر مولانا آزاد سبحانی، بحوالہ HOME DEPARTMENT-Poll-(B) No, 70-74, NOV. 1913
NATIONAL ARCHIVES, New Delhi

خدا کی قسم اور قسم اس کی جس کا نام اس جھنڈے پر ہے، یہ پہلی منزل ہے، ہم محض آہستہ آہستہ چلنے کے عادی ہیں۔ ہم شروع سے تہذیب لے کر آئے ہیں، ہم مسلمانوں میں یکدم جوش نہیں پیدا ہوتا۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارے پیشوا سردار دوجہاں رسولؐ کو مشرکین مکہ ..... نماز میں اُن پر اینٹیں پھینکا کیے۔ دس برس بعد جب وہ بادشاہ ہوئے، انصاف کے سلطان، میان سے تلوار نکالی، قریشیوں میں تہلکہ مچ گیا، ...... چین سے بڑے بڑے سورما جو گھروں میں بیٹھ گئے (تھے) اُنھوں نے رسولؐ کے قدموں میں اپنے تئیں ڈال دیا۔ پس یاد رکھو، ہماری رگوں میں بھی نبی و رسول کا اثر ہے، اس واسطے ہم ہمیشہ سُست چلیں گے۔ ہم سب سے پہلے امن پھیلانے آئے ہیں۔ عیسائی (یعنی انگریز) جھوٹے ہیں۔ اگر وہ امن کے ضامن ہوتے تو وہ بلقان کی زمین خون سے رنگین نہ کرتے۔ اگر عیسائی (گورنمنٹ) امن کی ضامن ہے تو وہ سنگین لے کر آپ کی مسجد پر آتی اور مسٹن خونریزی کے جوش میں اول اس امر کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے کہ یہ جوش نہیں ہے۔ کیا اس کے بعد خونریزی باقی نہ رہ گئی۔ میں کہتا ہوں کہ امن کا ضامن ایسا نہیں ہے کہ اٹلی اور ترکی کی طرح سے اپنی تلوار کو نیام میں نہ ڈالے ..... ہم چونکہ امن کے ضامن ہیں اس واسطے ہم ہر معاملہ کو بڑی سمجھ سے کرتے ہیں۔ ہم سب سے پہلے امن کا جھنڈا بلند کریں گے۔ ہم سب سے پہلے مذہب کی عظمت اور خصوصیت پیدا کریں گے ...... جارج کی طاقت ہو یا زار کی یا مسٹن کی ہمارا کلام تکبر نہیں رک سکتا۔ جب مذہب اور حکومت دونوں ایک اکھاڑے میں اتریں گے تو ہم مذہب کے ساتھ ہوں گے ...... بہت سے میرے دوستوں نے یہ کہا کہ انگریز یہ سمجھتے ہیں کہ سلطان ترکی کی امداد چونکہ موجود ہے اس واسطے ہندوستان کے مسلمان گستاخ ہوگئے ہیں۔ مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلمانوں کا ہر فرد جب تک وہ نماز کا پابند ہے اور جب تک خدائے ذوالجلال کے اجلاس میں سر جھکاتا ہے اس وقت تک نہ وہ سلطان ترکی کے محتاج ہیں اور نہ جارج پنجم کے دست نگر وہ صرف خدا کے مطیع ہے ...... پس میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ بڑے سے بڑے بادشاہ کی اطاعت کا مفہوم اس سے زیادہ نہیں ہے کہ ہم پاؤں پھیلا کر سوئیں، وہ ہمارا پہرہ دیں۔ اس سے زیادہ قسم خدا کی مسلمان اطاعت کا مفہوم نہیں سمجھتے ہیں۔ ان معنوں

میں ہم مطیع ہیں ۔ اطاعت کرتے ہیں ۔ گورنمنٹ یاد رکھے کہ جب تک گورنمنٹ اس فرض (یعنی تحفظ عوام) کو قائم رکھے گی ہم باہر نہیں نکلیں گے ۔ دوسری حیثیت سے گورنمنٹ پر ہم حکومت کرتے ہیں ۔ اول وہ فرض ہے جو نبیؐ نے ہمارے کانوں میں پھونک دیا ہے وہ یہ "لا إله إلا الله محمد رسول الله" یاد رکھو ہم کلمہ کے ذریعہ سے اُن پر حکومت کرتے ہیں ۔ اس وقت تک یاد رکھو ہم تمام دنیا کے لوگوں کو اسلام کے جھنڈے کے نیچے جمع کریں ۔ دین میں طاقت ہے ۔ ہمیں خود جھنڈے کے نیچے جمع ہونے سے نہیں روک سکتا کوئی .... اللہ نے نہایت شدومد سے فرمایا ہے کہ اے محمد رسولؐ میں نے تم کو دنیا میں اس لیے نہیں بھیجا کہ تم آزمائش کرتے پھرو، میں نے اس لیے نہیں بھیجا کہ اپنے حجرہ میں بیٹھے رہو .... میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جناب محمد رسولؐ کو ہمارے تیقن اور تلقین کے لیے نہیں بھیجا ہے بلکہ اس لیے کہ تمام دنیا میں اپنے دین کو غالب بنائیں ۔ وہ سرِ مقدس جو عرب کے سامنے جھکتا تھا، جو بوڑھے بھیک مانگتے کے سامنے جھکتا تھا، وہ سر جس میں کبھی رتبہ کا دورہ نہیں پہونچا (پڑا ؟) قسم خدا کی ہے، جب وہ کسریٰ کے سامنے جاتا ہے ..... کسریٰ اپنے تخت پر لوٹتا ہے، قیصر اپنے محل میں کانپتا ہے، اُن کی شان وجاہ وجلال خاک میں مل جاتی ہے ۔ مسلمانوں میں وہ غرور نہیں ہوگا کہ گورا رنگ ہونے سے انگریزوں کے اور ہندوؤں کے ہندو ہونے سے ظلم کریں ۔ ان میں وہ غرور ہے کہ ہمیشہ کلمہ پر قائم رہیں ۔ جب جب مسلمانوں نے جوش دکھایا ہے وہ نیچرل اور قدرتی ہے[۱]۔"

مولانا آزاد سبحانی کی تقریر کے بعد مسلمانانِ کانپور مسجد کے تحفظ اور مذہب کے دفاع کے لیے بےچین

---

[۱] HOME DEPARTMENT (B) Poll-70-74 NOVEMBER 1913 NATIONAL ARCHIVES NEW DELHI

یہاں یہ واضح کردینا مناسب ہوگا کہ مولانا کی پوری تقریر محکمہ خفیہ کے ایک نیم اردوداں انسپکٹر نے نوٹ کی تھی ۔ پوری تقریر رومی خط میں مندرجہ بالا فائل میں محفوظ ہے ۔ نیم اردودانی کے اثرات پوری تقریر پر ہویدا ہیں ۔ قرآن اور حدیث کے حوالے بھی ناقل کی کم فہمی یا نافہمی کا شکار ہیں ۔ بہرحال تمام بے ربطیوں کے باوجود مولانا کی تقریر کے اصل گوشے سامنے آجاتے ہیں ۔ تقریر کے سلسلے میں حسن سبحانی صاحب نے بھی یہ بیان فرمایا ہے کہ جب کمرۂ عدالت میں یہ تقریر مولانا کو دکھائی گئی تو انھوں نے تقریر کی زبان اور بیان سے قطعی انکار کردیا تھا، اس سے یہ بات اور واضح ہوجاتی ہے کہ ناقل نے تقریر کو کم سمجھا اور جو سمجھا اسے لکھ دیا ۔

ہو اُٹھے۔ ٹایلر (ضلع مجسٹریٹ) کے احکام پر پُرامن مسلمانوں کی تحریک کو گولیوں کی بارش سے روکنے کی کوشش کی گئی۔ بہت سے مسلمان شہید ہوئے، مسجد کے اندر بھی مسلمانوں کو نہیں بخشا گیا۔ مسجد مسلمانوں کے خون سے بھر گئی[1] مسجد کانپور کے واقعہ نے شمالی ہند کے مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑا دی۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور اُن کے رفقا گوشہ نشینی ترک کرکے، دین کے تحفظ کے لیے میدان میں آگئے[2]۔ مولانا آزاد سبحانی پر باغیانہ تقریر کرنے کی فردِ جرم عائد کی گئی اور وہ نذرِ زنداں کر دیے گئے[3]۔ مولانا پر مقدمہ چلا اور سیشن جج کی عدالت کے سپرد کر دیے گئے۔ دورانِ مقدمہ، حکومتِ برطانیہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور اُن کے رفقا کی جد وجہد، تحریک، قومی اور بین الاقوامی مصلحتوں سے مجبور ہوگئی۔ مولانا آزاد سبحانی، نومبر ۱۹۱۳ء میں باعزت طور پر قیدِ فرنگ سے رہا کر دیے گئے[4]۔

قید سے رہائی کے بعد مولانا کا جوشِ ایمانی کچھ اور ہی بڑھ چکا تھا۔ چند دنوں کے اندر مولانا نے مشرقی یوپی اور بہار کے مختلف علاقوں کا دورہ کرکے مسلمانوں[5] کو حالاتِ حاضرہ سے آگاہ کیا اور اُن کو مسلمانوں کے خلاف بین الاقوامی سازش سے روشناس کرتے ہوئے حرمین شریفین کے تحفظ کے لیے مستعد ہو جانے کی تلقین کی۔

---

[1] رسالہ حسرۃ الآفاق، ص۔ ۱۸۔۱۷، [2] رسالہ حسرۃ الآفاق، ص: ۱۸۔۱۷، [3] رسالہ حسرۃ الآفاق ص، ۱۷

[4] مولانا کے مقدمہ کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ دورانِ اسیری اور مقدمہ، مولانا کی مکمل فائل وائسرائے کے ملاحظہ کے لیے صوبائی حکومت نے بھیجی۔ ملاحظہ کے بعد وائسرائے نے ہوم سکریٹری کو اپنے نوٹ میں مولانا کی تقریر کو بہت اشتعال انگیز اور انگریز دشمن لکھتے ہوئے، حکومت یوپی کے متعلق یہ تاثر دیا:

"It is also clear what an admirable weapon for agitation the U.P. Government placed in the hands of Mohammadans when it stated in its communique about the mosque that there was little or no excitement in Cawnpore itself."

مندرجہ بالا نوٹ کے بعد سکریٹری ہوم نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۳ء کو تحریر کیا کہ "کوئی کارروائی نہیں" اور بعد ازاں مولانا کی رہائی عمل میں آئی۔ ملاحظہ ہو، Home Poll (B) 70-74 Nov. 1913

[5] Home Poll (B) July 1914, 124-8 National Archives, New Delhi

[6] Separatism among Indian Muslims pp 278, 306

مسجد کانپور کے حادثہ اور مشرقِ وسطیٰ میں روز افزوں بیرونی مداخلت کی وجہ سے شمالی ہندوستان میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے علاوہ دوسرے علماء بھی سرگرم سیاست ہو گئے[1] مولانا آزاد سبحانی نے بھی اب باقاعدگی کے ساتھ سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا — آپ بڑی حد تک خصوصاً اس دور میں، مولانا عبدالباری فرنگی محلی سے متاثر تھے[2]

جنگ عظیم (اول) کے آغاز سے ہی مسلمانان ہند مسئلہ ترکی پر کافی پریشان تھے۔ جنگ عظیم کے خاتمہ پر ترکی کی سالمیت اور مسئلہ خلافت نے ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمانوں کو ایک سخت اور دشوار صورتِ حال سے دوچار کر دیا تھا[3] علماء کرام ترکی اور خصوصاً خلافت کے مسئلہ پر بے حد مضطرب تھے[4] دریں اثنا بمبئی میں مسلمانوں نے مجلس خلافت کمیٹی تشکیل کی — بعد ازاں مولانا عبدالباری و مولانا ظفر الملک کی کوششوں سے یوپی میں بھی خلافت کمیٹی قائم ہوئی، سکریٹری سید رشید الدین صاحب مودودی مقرر ہوئے۔ اور صدارت کے عہدہ پر ممتاز حسین صاحب فائز ہوئے[5] مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی تحریک پر جمیعتہ العلماء کی تاسیس کا ایک جلسہ نومبر ۱۹۱۹ء میں دہلی میں ہوا[6] دوسرے ماہ امرتسر میں باقاعدگی سے اس کا پہلا اجلاس بھی منعقد ہوا[7] مولانا آزاد سبحانی دیگر علماء کی طرح جمیعتہ العلماء کی تاسیس میں سرگرم عمل رہے لیکن بعد میں جمیعتہ العلماء کی کارکردگی سے وہ مطمئن نہ رہ سکے۔ روز افزوں اختلافات کی بنا پر وہ جماعت سے کنارہ کش ہو گئے[8] آزاد سبحانی بہر نوع خلافت کمیٹی سے وابستہ رہے۔ آپ کانپور خلافت کمیٹی کے سرگرم رکن تھے۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں یوپی خلافت کمیٹی کے صدر ہوئے، اسی سال مرکزی خلافت کمیٹی کے اجلاس منعقدہ کلکتہ کی صدارت کے فرائض انجام دیئے[9]

مولانا آزاد سبحانی کی فعال طبیعت صرف خلافت کمیٹی کے تاسیس یا جمیعتہ العلماء کے قیام سے

---

[1] Separatism among Indian Muslims pp.278, 306

[2] Separatism among Indian Muslims pp 278, 306
حسن سبحانی صاحب اس رائے سے متفق نہیں ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ مولانا آزاد سبحانی صرف مولانا فضل حق خیرآبادی مولانا ہدایت اللہ رام پوری، مارکس، آربندو گھوش اور کسی حد تک حسرت موہانی سے متاثر تھے۔ انٹرویو حسن سبحانی صاحب

[3] رسالہ حسرۃ الآفاق، ص ۱۵ [4] رسالہ حسرۃ الآفاق ص ۲۴ [5] رسالہ حسرۃ الآفاق ص ۲۵-۲۴

[6] انٹرویو مفتی محمد رضا صاحب فرنگی محلی۔ [7] رسالہ حسرۃ الآفاق، ص ۲۶، RamGopal, The Indian Muslims p.142

[8] انٹرویو حسن سبحانی صاحب [9] Separatism among Indian Muslims pp 306, 426-27

مطمئن نہ رہ سکی۔ وہ مسلمانوں کو اسلامی شعار سے واقف اور اس پر عمل کرتے ہوئے دیکھنا چاہتے تھے۔ ترک موالات اور خلافت تحریکات نے مسلمانوں میں زندگی کے آثار پیدا کر دیے تھے وہ اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر مسلمانوں کو دینی شعور سے آگاہ کرنا چاہتے تھے چنانچہ ۱۹۲۱ء میں مولانا ابوالکلام آزاد اور سلیمان پھلواروی کی شرعی عدالتوں کے قیام کی تحریک میں برابر کے شریک رہے[۱]۔

مولانا آزاد سبحانی اس امر کے قائل تھے کہ علماء کے مقام کا تعین ضروری ہے اور اس کے لیے انھیں مدرسوں سے نکال کر میدان عمل میں لانا چاہیے[۲]۔ بالفاظ دیگر مولانا علما کے عملی سیاست میں سرگرم ہونے کے مؤید تھے۔

۱۹۲۱ء کے اواخر ہی میں علماء کے ایک بڑے طبقہ کو یہ احساس ہونے لگا تھا کہ تحریک "ترک موالات اور سول نافرمانی" سے انگریزوں کو ملک سے نکالنا ناممکن ہے۔ مولانا آزاد سبحانی اور اُن کے ہمدم و رفیق مولانا حسرت موہانی کا یہ خیال تھا کہ برطانوی حکومت سے قطع تعلق کر لیا جائے اور اگر ضرورت ہو تو اُن کے اخراج کے لیے طاقت بھی استعمال کی جائے۔ آزاد اور حسرت کے انقلابی خیالات کو کانگرسی رہنماؤں نے احمد آباد کے اجلاس میں نظر انداز کر دیا۔ حسرت موہانی اس ناکامی سے بددل نہ ہوئے اور اس تجویز کو خلافت کانفرنس کے جلسہ میں لائے لیکن یہاں پر حکیم اجمل صاحب نے اسکی اجازت نہ دی[۳]۔ حسرت موہانی نے اسی سال کل ہند کانگرس کمیٹی کے سالانہ اجلاس میں، قومی کانگرس کا مقصد "حصول سوراج" یا "مکمل آزادی" کی تجویز پیش کی تو گاندھی جی نے مداخلت کر کے اسے ناکام بنا دیا[۴]۔ ان ناکامیوں کے باوجود آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں، جس کے صدر حسرت موہانی تھے، مولانا آزاد سبحانی نے، جن کو عبدالماجد بدایونی اور داؤد غزنوی کی حمایت حاصل تھی، سبجکٹ کمیٹی کے سامنے مکمل آزادی کی تحریک رکھی تو ڈاکٹر مختار احمد انصاری، رضا علی، حکیم اجمل خاں اور سید ظہور احمد کی مخالفت کی وجہ سے تجویز ۳۶ ووٹوں کے مقابلہ میں ۲۲ ووٹوں کی وجہ سے ناکام ہو گئی[۵]۔ مولانا آزاد سبحانی، اس طرز فکر کے نہ قائل ہی تھے اور نہ اسے پسند کرتے تھے۔ ان کا فطری جوش،

---

۱ Separatism among Indian Muslims, pp. 329, 426-27

۲ Separatism among Indian Muslims, pp. 306, 426-27

۳ Separatism among Indian Muslims, pp 322

۴ Home Poll - 1921, 461 ۵ Separatism among Indian Muslims pp. 332

روزنامہ لیڈر (انگریزی، الہ آباد) ۴ جنوری ۱۹۲۲ء National Archives New Delhi

اس بات کا تقاضا کر رہا تھا کہ آزادی کی جنگ میں مردانہ وار سامنے آیا جائے۔ ملک کی آزادی ہی میں وہ مسلمانوں کی بھلائی اور ہندوستان میں اسلام کی سرفرازی تصور کرتے تھے۔ مولانا حسرت موہانی بھی بڑی حد تک مولانا کے ہمنوا تھے۔ تحریک مُوالات اور خلافت میں علماء کرام اور عام مسلمان انھیں تصورات کی بنا پر میدان سیاست میں تن، من، دھن سے سرگرم عمل تھے لیکن ۱۹۲۲ء میں گاندھی جی کے ترک موالات کی تعطلی کے اچانک فیصلہ نے عام مسلمانوں، خصوصاً علمائے کرام اور ممتاز سیاسی رہنماؤں جیسے موتی لال نہرو، سی۔ آر۔ داس، پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا آزاد وغیرہ کو حیران کر دیا[1] کانگریس اور خود مسلم لیگ میں 'مکمل آزادی' کی تجویز پر مولانا آزاد سبحانی اور حسرت موہانی وغیرہ پہلے ہی سے بد دل تھے۔ اُن کا گاندھی جی کی قیادت پر بھی اعتماد نہ رہا تھا۔[2] آزاد سبحانی پر گاندھی جی کے فیصلہ کا بہت خراب اثر پڑا، بعد ازاں آہستہ آہستہ وہ کانگرس کی عملی سیاست سے دور ہوتے گئے اور تمام عمر وہ گاندھی جی سے کوئی سیاسی مفاہمت نہ کر سکے۔

مولانا آزاد سبحانی نے مارکس کو بہت توجہ سے پڑھا تھا۔ آپ مارکس کی ذہنی صلاحیت، انقلابی نقطۂ نظر سیاسی فکر اور پرزور دلائل سے متاثر تھے۔ ایک زمانہ میں خود کو مارکسسٹ بھی کہا کرتے تھے[3] لیکن ان کا مارکسزم بالکل دوسری بنیادوں پر قائم تھا۔[4] وہ کہا کرتے تھے کہ دنیا کے عظیم ترین انقلابی خود جناب محمد رسول اللہ تھے۔ آپؐ نے جن حالات میں انسانوں کو صلح و آشتی، محبت و یگانگت، وحدانیت کا درس دیا اور اُن کو عملاً جہالت و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر چند برسوں میں دنیا کی مہذب ترین قوم بنا دیا وہ تاریخ کے صفحات میں آج بھی محفوظ ہے۔[5] آزاد سبحانی مارکس کے مداح اور کمیونزم سے متاثر ہونے کے باوجود یہی کہا کرتے تھے کہ مارکس کے کمیونزم کا انحصار خدا کے انکار پر ہے جبکہ ان کے کمیونزم کی بنیاد

۱؎ TARA CHAND, *History of the Freedom Movement* ... Vol III P. 498

۲؎ انٹرویو حسن سبحانی صاحب۔ ۳؎ یہ بھی ایک اعجوبہ ہی ہے کہ کوئی عالم دین مارکس کے فلسفہ سے اس قدر متاثر بلکہ مرعوب ہو کہ خود کو مارکسسٹ کہنے لگے اور اسلام اور کمیونزم میں اسے کسی تضاد کا احساس تک نہ ہو۔ (مدیر) ۴؎ یہ بنیادیں کیا تھیں؟ اگر یہ خالص اسلامی تھیں تو انھیں مارکسزم کیوں کہا جائے؟ اگر یہ اسلام اور غیر اسلام کا آمیزہ تھیں تو یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ اسلام شرک کو گوارہ نہیں کرتا۔ وہ تنہا اپنی حکم رانی چاہتا ہے۔ (مدیر)

۵؎ یہ دلیل دنیا پر چھائے ہوئے ہر باطل فلسفہ کو اسلام سے جوڑنے کے لیے بآسانی دی جا سکتی ہے۔ (مدیر)

خدا کے اقرار پر[1]۔ مولانا آزاد سبحانی اس طرزِ فکر کی وجہ سے بعض حلقوں میں وہ کمیونسٹ مشہور ہو گئے، غالباً اس شہرت کے پس پشت کمیونسٹ نظریات پر کاربند حضرات کی اُن سے قربت بھی رہی ہے جو اکثر مولانا سے برائے ملاقات اور سیاسی گفتگو کے لیے تشریف لایا کرتے تھے[2]۔ باوجود کمیونسٹ حضرات سے قربت اور ابتدا میں کمیونسٹ تحریک سے متاثر ہونے کے، مولانا آزاد سبحانی کبھی پارٹی کے ممبر نہیں بنے[3]۔

تحریک خلافت اور ترک موالات کی ناکامی کی وجہ سے ہندوستانی سیاست میں تعطل اور غیر یقینی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ ملک میں مختلف تحریکات زور پکڑ رہی تھیں۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر مسلمان بدستور غیر یقینی حالات سے دوچار تھے۔ مسلم لیگ کی سرگرمیاں جو تحریک خلافت کے دوران سرد پڑ چکی تھیں، از سر نو شروع ہوئیں۔ مولانا آزاد سبحانی، خلافت اور ترک موالات کی تحریکوں کے دور میں مسلم لیگ کے اجلاسوں میں بھی شریک ہوتے رہے تھے، لیکن اب وہ کانگرس کی طرح لیگ سے بھی بیزار ہو چکے تھے[4]۔

مولانا آزاد سبحانی پر منطق و فلسفہ کا بہت گہرا اثر تھا۔ وہ اسلام اور قرآنی تعلیمات کی فلسفیانہ انداز میں منطقی استدلال کے ساتھ توجیہات کرتے تھے۔ اس میدان میں وہ اپنے دور کے ایک منفرد عالم دین تھے۔ بقول میاں ظفیر احمد:۔

> "مولانا آزاد سبحانی اپنے فلسفیانہ تصورات کے اعتبار سے برصغیر کے عام علما کرام سے مختلف تھے۔ وہ صرف عالمِ دین ہی نہیں بلکہ ایک فیلسوف اور مفکر تھے"[5]

میاں ظفیر احمد اُن چند افراد میں سے ہیں جنھوں نے مولانا کو ۱۹۳۶ء سے ۱۹۵۵ء تک دور اور نزدیک

---

[1] انٹرویو حسن سبحانی صاحب، مقالہ: آزاد سبحانی، حکومت الٰہی اور خلافتِ ربانی، تحریر میاں ظفیر احمد، جنگ کراچی۔ (آئندہ بحوالہ مقالہ میاں ظفیر احمد) معلوم نہیں وہ کون سا کمیونزم ہے جس کی بنیاد خدا کے اقرار پر ہے۔ اگر مطلب یہ ہے کہ اسلام ان معاشی مسائل کو بخوبی حل کرتا ہے جنھیں کمیونزم حل کرنا چاہتا ہے اور جنھیں وہ ابھی تک حل نہیں کر سکا، تو کیوں نہ اسلام ہی کا براہ راست نام لیا جائے اور کمیونزم کا جھنڈا اٹھانے کی جگہ اسلام ہی کا علم بلند کیا جائے (مد)

[2] انٹرویو، حسن سبحانی صاحب۔ ظاہر ہے کمیونسٹ حضرات کی قربت بلا وجہ نہیں ہو سکتی۔ اس کے پیچھے نظریاتی ہم آہنگی ضرور ہوگی (مدیر) [3] انٹرویو حسن سبحانی صاحب [4] انٹرویو حسن سبحانی صاحب

[5] آزاد سبحانی، حکومت الٰہی اور خلافت ربّانی، مقالہ، میاں ظفیر احمد

سے دیکھا، سنا اور برتا ہے۔ یہ ایک طویل مدت ہے اور کسی بھی ذہین فرد کے لیے کسی کو اچھی طرح سمجھنے اُس کے افکار اور نظریات کو پرکھنے کے لیے، ایک معقول عرصہ ہے۔ میاں ظفیر احمد نے مولانا کو جس دور میں دیکھا ہے وہ ہندوستانی مسلمانوں کی اس صدی کی سیاسی زندگی کا غالباً مشکل ترین دور ہے۔ مسلمانوں کا بہت بڑا طبقہ قومی اور بین الاقوامی سیاست کے گورکھ دھندے میں محصور ہو چکا تھا۔ مولانا آزاد سبحانی گو کسی سیاسی جماعت سے باضابطہ طور پر منسلک نہ تھے، تاہم سیاسی اثرات سے نہیں بچ سکے۔ سنہ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کے نظریہ پاکستان کے حمایتی بن گئے۔ غالباً سولہ برس پہلے ترک موالات کی واپسی، خلافت تحریک کی ناکامی، ملک میں بڑھتی ہوئی فرقہ وارانہ سیاست ۱۹۳۷ء میں کانگرس وزارتیں اور اُس کی حکمت عملی نے ان کو بالکل نئے انداز میں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ نظریہ پاکستان کی حمایت نے اکابرین مسلم لیگ کو مولانا کی طرف راغب کیا۔ جناب نواب اسمٰعیل کی وساطت سے مولانا کی دو بار محمد علی جناح سے بھی ملاقاتیں ہوئیں، لیکن مولانا بدستور اپنی آزاد روش پر قائم رہے اور مسلم لیگ کی سیاست سے کوئی مفاہمت نہ کر سکے۔[۱]

مولانا آزاد سبحانی سیاست اور مذہب کو الگ نہیں تصور کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ سیاسی امور میں بھی وہ محسن انسانیت، حضور صلعم کی زندگی سے ہدایت لیتے تھے۔ چنانچہ اس انداز فکر سے آپ نے سرکار دو عالم کی زندگی، معاملات اور شخصیت کو منطقیانہ اور فلسفیانہ نظر سے دیکھا۔ رسولؐ کی زندگی کے تمام پہلوؤں کے مطالعہ اور غور و فکر نے آزاد سبحانی کی بصیرت اور فکر میں غیر معمولی انقلاب برپا کر دیا تھا۔ آپ رسولؐ کے بے پناہ شیدائی تھے۔ میاں ظفیر احمد کے الفاظ میں:۔

> "..... انھیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عشق و محبت تھی۔ اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کے اظہار میں عجیب عجیب نکتہ بیان کرتے کہ سننے والے وجد و کیف میں مبتلا ہو جاتے۔" ..... وہ کہا کرتے "..... محمدؐ کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ وہ بشر کے اوپر ہیں۔ الوہیت کے مظہر ہیں۔ خدائی اپنی طاقت پوری طرح اُن میں جھلکی ..... اگر وجود ہے تو وہ صرف محمد ہیں، قرآن میں، منقبت یا حقیقت، لیکن ایک بات خود قرآن کہتا ہے۔ اس کتاب کی پوری حقیقت اس وقت تک نہیں کھلے گی جب تک کہ قیامت نہ آجائے۔ زمانہ گزرتا جائے گا اور حقیقت

۱۔ انٹرویو حسن سبحانی صاحب

کھلتی جائے گی اور جب Perfection of Humanity کا وقت آجائے گا تو
اس وقت حقیقت محمدی کھل جائے گی۔۔۔۔[۱]"

مولانا آزاد سبحانی کا نظریہ تھا کہ "جس طرح اللہ کی ایک حیثیت ہے اُسی طرح مسلمان کی بھی ایک حیثیت ہے یعنی،

"اللہ سب سے بڑا"

"محمدؐ نائب اللہ"

"مسلمان خلیفۃ اللہ۔ نائب محمدؐ"

غرض وہ قرآن اور اللہ کے لائے ہوئے دین اسلام پر فلسفیانہ انداز میں غور کرتے ہوئے بسا اوقات ایسے مقام پر پہونچتے ہیں جہاں پہنچ کر مولانا کہتے ہیں "قرآن میں ایسے الفاظ آئے ہیں، اگر میں ظاہر کردوں تو پھر میرے دار ورسن کا بھی سامان ہونے لگے۔ اس لیے شریعت اس حد تک نہیں پہنچتی یا نظام ظاہری شریعت اس کو قبول نہیں کرتی ہے۔"[۲]

غالبًا مولانا کی فلسفیانہ توجیہاتِ اسلام اور مخصوص نظریات نے ان کو عام علماء کرام سے دور رکھا اور بعض مخصوص حلقوں میں وہ تنقید کا ہدف بھی بنے۔

مولانا آزاد سبحانی کا مسلمانوں کے انحطاط کے اسباب پر ایک مخصوص نظریہ تھا وہ کہا کرتے تھے:۔

"مسلمانوں کے انحطاط کی وجہ فلسفہ کا فقدان ہے۔ فلسفہ کا زوال امام غزالیؒ سے شروع ہوتا ہے اور امام تیمیہؒ نے اس زوال کو مکمل کر دیا جب انھوں نے فرمایا کہ منطق قلوف کے ڈھیلے کے برابر ہے۔ پس کیا تھا مسلمانوں نے فلسفہ کو ٹھکرانا شروع کر دیا اور ان کی عقل کا زوال ہوگیا۔ ان کے انحطاط کی یہی وجہ ہے۔ یورپ مَر مَر کے اٹھا اس لیے کہ اس کے پاس زندگی کا ایک فلسفہ تھا یعنی حقیقت کی تلاش گو ساتھ عیسیٰؑ کی محفلیں بھی قائم رکھتا تھا لیکن ایشیائی قوموں کے پاس زندگی کا کوئی فلسفہ نہیں تھا جس کے لیے وہ جان دے سکیں، یورپ حقیقت کے لیے جان دیتا رہا۔"[۳]

---

[۱] بحوالہ مقالہ میاں ظفر احمد۔ [۲] بحوالہ مقالہ میاں ظفر احمد ــــ اللہ رحم کرے بہت سے اور بزرگوں نے بھی اس طرح کی باتیں کہی ہیں اور انہی نکتہ طرازیوں سے شریعت کے بالمقابل طریقت کے نام سے ایک پورا فلسفہ کھڑا کر دیا ہے (مدیر) [۳] بحوالہ مقالہ میاں ظفر احمد ــــ دنیا حقیقت کی تلاش میں سرگرداں ہے اور اسلام اسی کائنات اور انسان کی حقیقت ٹھیک ٹھیک بیان کرتا ہے۔ مسلمانوں کے زوال کا سبب اسی حقیقت سے انحراف ہے۔ اس کا کوئی دوسرا سبب نہیں ہے۔ (مدیر)

مولانا آزاد سبحانی کے اس فلسفیانہ نظریات سے کس حد تک اتفاق ممکن ہے، یہ ایک بحث طلب موضوع ہے، تاہم اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مولانا مسلمانوں کے انحطاط و زوال کے متعلق مستقل غور و فکر میں مصروف تھے اور اُن کی ایک مخصوص رائے بھی تھی۔

مولانا نے اپنی زندگی کا مقصد، بقول میاں ظفیر احمد "حکومت الٰہی اور خلافت ربّانی" کے قیام کو بنا لیا تھا۔

"اُن کی ساری تقریر و تحریر بس اسی نقطہ کے گرد گھومتی رہتی تھی تقریر چاہے کسی عام اجتماع اور پبلک پلیٹ فارم سے ہو یا نجی صحبت اور نشست میں، اُن کے درس اور لکچر کا ہمیشہ یہی عنوان ہوا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ایک مسلمان اگر عبادت نہیں کرتا ہے تو وہ فاسق ہے لیکن مسلمان باقی رہتا ہے لیکن اگر مسلمانوں کے پاس خلافت نہیں ہے تو وہ مسلمان نہیں ہے..... مسلمان خلافت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر سورج کی روشنی ختم ہو گئی تو سورج نہیں رہ سکتا، اس لیے اگر خلافت نہیں ہے تو مسلمان نہیں ہے۔ عبادت نہیں ہے تو فاسق ہے لیکن مسلمان ہے لیکن خلافت کے جانے سے مسلمانیت کا خاتمہ ہے مسلمانوں کی اصل ماہیت اور حقیقت خلافت ہے[۱]۔"

مولانا آزاد سبحانی نے تحریک ربانی کی ابتدا کے ساتھ ہی دو مختلف جریدے "ربانیت" اور "دعوت" اپنے فرزند حسن سبحانی صاحب کی نگرانی اور اہتمام میں لکھنو سے جاری کیے[۲]۔ مولانا نے تعلیمی اور دینی تبلیغ کے فروغ کے لیے غالباً سب سے پہلے ہندوستان میں مراسلاتی یونیورسٹی کا تصور پیش کیا[۳] اور عملاً اسے کر دکھایا۔

مولانا نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود ایشیا اور یورپ کے مختلف ممالک کا سفر کیا جس کی وجہ سے اُن کے مشاہدات اور تجربات کو بہت استحکام ملا، غالباً مولانا کا پہلا سفر ۱۹۳۶ء میں حجاز کا تھا۔ اس سفر سے چند ماہ پیشتر مولانا ایسٹ انڈین ریلویز کے ملازمین کے حقوق کے مطالبہ کے سلسلہ میں کی گئی ایک تقریر کی پاداش میں لکھنو جیل میں قید کر دیے گئے تھے[۴]۔ رہائی کے بعد

---

[۱] بحوالہ مقالہ میاں ظفیر احمد۔ اس گنجلک عبارت کا سمجھنا آسان نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کا ذہن اسلام کے بارے میں صاف نہیں تھا۔ (مدیر) [۲] انٹرویو حسن سبحانی صاحب۔ [۳] ایضاً
[۴] یہ دلچسپ حقیقت ہے کہ اس وقت ملک میں غالباً کوئی اہم سیاسی شخص قید فرنگ میں نہ تھا۔

مولانا براہ بمبئی، تمام تر بے سروسامانیوں کے ساتھ جدہ اور پھر مکہ معظمہ پہونچے۔ مکہ معظمہ میں پرانے رفیق داؤد غزنوی کے توسط سے شاہی مہمان بن گئے۔ حج کے خاتمہ کے بعد مولانا غزنوی نے ہندوستانی زعما کے اس وفد میں باصرار مولانا آزاد سبحانی کو بھی شریک کرلیا جو شاہ کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرنے جارہا تھا۔ شاہ عبدالعزیز بن شاہ سعود نے مولانا سے عرب عوام اور حکومت کے متعلق سوال کیا۔ کوئی اور ہوتا تو تعریف کے پل باندھ دیتا، یا مصلحت سے کام لے کر دو چار تعریفی جملے کہہ کر حقیقت حال چھپا جاتا۔ لیکن مولانا کا مزاج ہی دوسرا تھا۔ وہ حق بات ہر قیمت پر کہنے کے قائل تھے اور اسی انداز فکر نے انھیں تجویز "مکمل آزادی" کی ناکامی کے بعد کانگرس اور مسلم لیگ سے منحرف کردیا تھا۔ چنانچہ مولانا نے بہت ادب لیکن صاف گوئی سے کہا:

> "میں خود ایک غریب ملک سے تعلق رکھتا ہوں لیکن میں نے جو غربت کے مناظر مکہ اور مدینہ اور جدہ میں دیکھے ہیں وہ روح فرسا اور دل شکن ہیں"۔ مولانا نے مزید کہا "انگریزی اثرات کے توسط سے مغربی تہذیب کا تسلط بڑھتا جارہا ہے، مذہب سے دلچسپی کم ہوتی جارہی ہے اس لیے حکومت کو فکر کرنی چاہیے کہ غریبی دور ہو اور مغربیت کا سد باب ہو"۔[۱]

شاہ نے اس بے باکی کو ناپسند کیا تاہم مہمان سمجھ کر درگزر سے کام لیا۔ وفد جب لوٹا تو مولانا غزنوی نے شکایت کی کہ مولانا کا رویہ محتاط ہونا چاہیے تھا۔ لیکن مولانا کا جواب تھا ــ "یہ انداز گفتگو بھی "جہاد" کا حصہ ہے"[۲]

۱۹۴۶ء میں فرقہ وارانہ سیاست، فسادات، مسلم لیگ اور کانگرس کی سیاسی چپقلشیں، مولانا کو ذہنی انتشار میں ڈالتی گئیں۔ مسلم لیگ سے بنیادی اختلافات کے باوجود، وہ مسلم لیگ کی فرقہ وارانہ سیاست سے بہت قریب آگئے۔ مولانا آزاد سبحانی نے جمعیتہ العلمار ہند کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے "جمعیتہ الاسلام" کی بنیاد ڈالی۔ جمعیتہ الاسلام کا پہلا اجلاس ۱۹۴۶ء میں کلکتہ میں منعقد ہوا۔ مولانا اس کے پہلے صدر تھے۔ اپنی طویل تقریر میں مولانا نے جمعیتہ العلمار ہند پر شدید تنقیدیں کیں[۳] قومی سیاست کی حامی جمعیتہ العلمار کی مولانا نے جو مخالفت کی اس کی وجہ سے بنگال میں مسلم لیگ کا زور بہت بڑھ گیا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے اثرات کم ہوگئے۔[۴]

---

[۱] انٹرویو حسن سبحانی صاحب [۲] انٹرویو حسن سبحانی صاحب [۳] انٹرویو حسن سبحانی صاحب [۴] انٹرویو حسن سبحانی صاحب۔

تقسیم ہند اور اُس کے اثرات کے نتیجہ میں مولانا آزاد سبحانی کے سیاسی نظریات میں بہت تبدیلی آچکی تھی۔ وہ ۱۹۴۷ء تک قومی سیاست میں جمہوریت اور غیر فرقہ وارانہ سیاست کے حامی اور علمبردار تھے۔ اب ان کا نظریہ یہ تھا کہ ہندوستانی حکومت ایک غیر سیکولر حکومت ہے[1]۔ ان کا خیال یہ تھا کہ مسلمانوں کو اپنی اساس پر قائم رہتے ہوئے، کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو جانا چاہیے[2]۔ کیونکہ ہندوستانی کی آزادی عارضی ہے اور ملک جلد ہی کمیونسٹوں کے حملہ کی زد میں آکر مغلوب ہو جائے گا[3]۔

مولانا آزاد سبحانی کی بہت سی کتابیں اور مقالے شائع ہو چکے ہیں جن میں 'الکلیات' (فلسفہ) مقدمہ تفسیر ربّانی، زبور ربانی (غزلوں اور نظموں کا مجموعہ) سیرت محمدیؐ[4]، سفرنامہ یورپ اور امریکہ، ارکانِ خمسہ، فلسفۃ الربانیہ (عربی) قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں مولانا نے انگریزی میں بھی کئی رسالے لکھے ہیں جن میں سے ایک "The teaching of Islam in the light of Rabbaniyat" امریکہ میں شائع ہوا[5]۔

مولانا آزاد سبحانی کی زندگی سیماب کی طرح گزری۔ وہ کبھی کسی جگہ جم کر نہ رہ سکے۔ گو کہ اُن کا آبائی وطن سکندر پور (بلیا) تھا، لیکن اقامتی وطن گورکھپور بنالیا تھا، لیکن وہ گورکھپور میں بھی گاہے گاہے ہی تشریف لے جاتے۔ ساری عمر سفر اور سیاحی میں گزار دی۔ وفات سے چند برس پہلے مختلف امراض نے صحت پر اثر ڈالنا شروع کر دیا تھا، ضعیفی بھی اپنا رنگ دکھا رہی تھی، لیکن مولانا کے عزم و حوصلہ میں اب بھی وہی توانائی تھی جو اُن کی جوانی کے وقت تھی۔ سفر سے بالکل ہراساں نہ ہوتے اور خاص طور سے سیرت کے جلسوں میں ضرور شرکت کرتے۔ قوم و ملت کی خدمت بھی آزادانہ طریقہ سے جاری تھی ۱۹۵۷ء میں ڈیری آنسون (جنوبی بہار) سے سیرت کے جلسہ میں شرکت کی دعوت ملی۔ شدید گرمی اور لو کی پروا

---

[1] انٹرویو حسن سبحانی صاحب [2] یہی نسخہ تو سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ مسلمان اپنی 'اساس' پر قائم رہتے ہوئے کس طرح کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو سکتے ہیں۔ مسلمان کے دین کی اساس کتاب و سنت پر ہے۔ کیا روس، چین اور خود ہندوستان کی کیونسٹ پارٹی میں جو مسلمان ممبر ہیں وہ اپنی اس 'اساس' پر قائم ہیں؟ جب تک آپ اپنی اساس کو چھوڑ نہیں دیتے کیونسٹ پارٹی کے ممبر نہیں بن سکتے۔ (مدیر) [3] انٹرویو حسن سبحانی صاحب۔ مولانا کے اس نظریہ میں کس حد تک اعتدال ہے اس سے قطع نظر یہ امر قابل توجہ ہے کہ آزادی کے پندرہ سال بعد ہی چین ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔
[4] سیرت محمدی کا بنگلہ ترجمہ اسلامک فاونڈیشن شائع کر چکی ہے۔ انٹرویو حسن سبحانی صاحب
[5] انٹرویو حسن سبحانی صاحب۔

کیے بغیر شریک جلسہ ہوئے لیکن واپسی میں لو لگ گئی۔ بیماری ہی کے عالم میں شمالی بہار کے مقام بگہا گئے، بیماری بڑھ گئی تو برائے علاج لکھنو پہونچے۔ اسپتال داخل کئے گئے، لیکن مولانا کو احساس ہو چکا تھا کہ آخری وقت آن پہونچا ہے۔ بصد اصرار بیماری کے عالم ہی میں گورکھپور آئے، چند دنوں بعد ۲۲ جون ۱۹۵۷ء کو عالم فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔ محلہ نظام پور واقع کچی باغ میں آسودہ خاک ہوئے۔[1]

مولانا آزاد سبحانی کے مداحین اور معتقدین کی بڑی تعداد ہندوپاک میں موجود ہے۔ مولانا حسرت موہانی اُن کے قریبی ہمنوا اور رفیق تھے۔ پاکستان میں سرکردہ افراد میں مولانا راغب احسن اور جناب ابوالہاشم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔[2] ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم کے بعد ان کے مداحوں کی کثیر تعداد پاکستان منتقل ہو گئی، انھوں نے مولانا کو پاکستان کی شہریت اختیار کرنے کے تقاضے کیے لیکن مولانا اس کے لیے کبھی تیار نہ ہو سکے اور بالآخر ہندوستان ہی کو اپنا وطن سمجھا، یہیں رہے اور یہیں سپرد خاک ہوئے، اس فیصلہ کے لیے بھی مولانا کو بڑی قیمت چکانی پڑی۔[3]

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

---

[1] انٹرویو حسن سبحانی صاحب [2] بحوالہ مقالہ میاں ظفر احمد صاحب [3] انٹرویو حسن سبحانی صاحب

تصانیف سید جلال الدین عمری

معروف و منکر	6-50	بچے اور اسلام	-50
خدا اور رسول کا تصور۔ اسلامی تعلیمات میں	5-00	اسلام کی دعوت	8-00
انسان اور اس کے مسائل	3-00	اسلام اور اس کی دعوت	1-25
عورت۔ اسلامی معاشرہ میں	13-00	اسلام اور وحدت بنی آدم	-75
عورت اور اسلام	3-50	انسانوں کی خدمت	-70
مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	2-00	دولت میں خدا کا حق	-70

مرکزی مکتبہ اسلامی۔ دہلی ۶